اُردو کے نمائندہ غزل گو شعرا کے ہاں تصوف کے بنیادی رویے

Some Fundamental Tendencies Of Mysticism In Urdu Ghazal Writers

پروفیسر ڈاکٹر روبینہ شاہین، شعبہ ءاُردو، جامعہ ءپشاور

Prof: Dr. Robina Shaheen, Dept. of Urdu,
University of Peshawar

ڈاکٹر انتل ضیاء شعبہ ءاُردو، جامعہ ءشہید بینظیر بھٹو برائے خواتین، پشاور

Dr. Antal Zia Dept. of Urdu, Shaheed Benazir Bhutto Women University Peshawar

Abstract

The research article is titled as "the role of Mysticism in Urdu Poetry to establishing harmony and peaceful coexistence''. Mysticism is the knowledge which meet Allah to his worshipper. In Mysticism every matter is related to peace. Mysticism take us to the place where there is no disruption.Mysticism is a spiritual belief which makes a deep relation of worshipper to Allah through inner feelings, thoughts and meditation. In simple words it is the main source of peace and harmony.

In Urdu Literature there is enormous material about mysticism in prose and poetry. No doubt poetry is one of useful expressions of a mystic's poet inner experiences. By nature, a mystic is able to access a state of consciousness that is so close to the usual awareness of humanity. Even though a stage comes when mystics and great seekers have said that it is impossible to describe that consciousness they have gain. This article is focused on the poetry of Wali Dakni, Meer Taqi Meer, Khwaja Mir Dard and Asad Ullah Khan Ghalib.

Key words: Urdu, Ghazal, Mysticism, Peace, Meer,Ghalib

کلیدی الفاظ: اردو، غزل، تصوف، امن، میر، غالب

تصوف ایک نظام خیالات ہے جو مخلوق کی حقیقت اور ان کے روابط کی ماہیت پر غور کرنے سے پیدا ہوتا ہے۔ وہ لوگ جو پاکیزگی اپناتے ہیں اور کدورت سے خود کو صاف رکھتے ہیں

صوفی کہلاتے ہیں۔ صوفیا کا طرز زندگی یہ ہے کہ وہ کسی کو بُرا نہیں کہتے اور اپنے آپ کو کبر و ریا سے پاک رکھتے ہیں۔ وہ خلقِ خدا کے خیر خواہ ہمدرد اور غم گسار ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

"رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین میں عاجزی سے چلتے ہیں اور جب جاہل ان سے ہم کلام ہونے لگتے ہیں تو وہ کہتے ہیں سلام۔" (۱)

یعنی صوفیا امن و آشتی اور سلامتی کے داعی ہوتے ہیں اور فساد سے دور رہتے ہیں۔ تصوف کی عام طور پر آٹھ خصلتیں ہیں سخاوت[۱]، رضا[۲]، صبر[۳]، اشارہ[۴]، غربت[۵]، صوف پہننا[۶]، سیاحت[۷] اور فقر[۸]۔ یہ تمام خصلتیں اسلامی تصوف کے حوالے سے مختلف پیغمبرانِ اسلام کی زندگیوں میں نظر آتی ہے۔ تصوف کے مطالب کو اگر حدیثِ نبوی میں تلاش کیا جائے تو سامنے آتا ہے کہ وہ شخص جو احکامِ الٰہی کو اپنے قلب کی گہرائیوں میں محسوس کر کے محسن بنتا ہے، وہی صوفی ہے اور اس کا یہ احسان تصوف ہے۔ حدیث شریف میں احسان کی تعریف میں آیا ہے کہ "تو اللہ کی عبادت ایسی حالت میں کر کہ گویا تو اُس کو دیکھ رہا ہے اور اگر تو اس کو نہیں دیکھ رہا ہے تو بے شک وہ تجھ کو دیکھ رہا ہے۔" صوفی کے تعارف کے حوالے سے ڈاکٹر ابو سعید نورالدین، شیخ ابوالحسن کا قول نقل کرتے ہیں کہ۔

"ایک گروہ نے کہا ہے کہ اہلِ تصوف کو "صوفی" اس لئے کہتے ہیں کہ وہ "صوف" کا لباس پہنتا ہے، اور دوسرا گروہ کہتا ہے کہ اس کو "صوفی" اس لئے کہتے ہیں کہ وہ برگزیدگی میں، صفِ اول میں ہوتا ہے۔ اور ایک اور گروہ کہتا ہے کہ اس کو صوفی اس لئے کہتے ہیں کہ وہ اصحاب صفہ رضوان اللہ علیہم کے ساتھ محبت کرتا ہے۔ ایک اور گروہ کو قول ہے کہ یہ اسم لفظ "صفا" سے مشتق ہے۔"(۲)

صوفی کی جو بھی تعریف دیکھیں ایک مشترکہ نقطہ جو اخذ ہوتا ہے وہ ہے فقر و استغنا اور برگزیدگی۔ صوفی، اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لئے پاک بازی اور تقوی اختیار کرتا ہے اور یہیں خصوصیات اسے امن اور آشتی کا پیکر بناتے ہیں۔ صوفیا کے نزدیک توحید کے چار درجے ہیں۔

- توحیدِ ایمانی: خدا ہی معبود ہے دل سے زبان سے اقرار کرنا، شرک سے نجات۔
- توحیدِ علمی: موجودِ حقیقی سوائے اللہ کے کوئی نہیں ہے۔ تمام موجودات خدا کی ذات سے قائم ہے جو کچھ ہے سب اسی کا نور ہے۔

- توحید حالی: صوفی کی ذات خدا کے جمال کے مشاہدے میں ڈوب جاتی ہے۔ وہ خود کو بلکہ پوری کائنات کو فنا دیکھتا ہے۔
- توحیدِ الٰہی: جہاں صرف خدا ہی خدا ہے۔ نہ اس کے سوا کوئی مشاہدہ کرنے والا ہے، نہ مشہود۔

تصوف کا دل سے بڑا گہرا تعلق ہوتا ہے اور چونکہ صوفی شریعت کے مقابلے میں طریقت سے وابستہ ہوتا ہے، طریقت میں باطن کا مشاہدہ اور مطالعہ ضروری ہے یہی وجہ ہے کہ صوفی وجدان اور جذبہ کے ذریعے معرفت تک پہنچتا ہے، جیسا کہ پشتو کے مشہور صوفی شاعر رحمان بابا کہتے ہیں۔

په یوه قدم تر عرش پوري رسي
ما لیدلي دي رفتار د درویشانو (۳)

اسلامی تصوف عمدہ اخلاق، اخلاص فی العمل، احترامِ آدمیت اور وسیع المشربی سے عبارت ہے۔ یہ عناصر مذہبی تنگ نظری، فرقہ واریت، سماجی تناؤ اور دیگر مسائل کے حل میں قابلِ تعریف کردار ادا کر سکتے ہیں۔ اسی طرح دنیا میں مذہبی رواداری، برداشت اور امن کے حوالے سے، تصوف کا اہم کردار ہے۔ تصوف کے بنیادی مفہوم کے پیشِ نظر جب ہم اردو کلاسیک کے نمایاں غزل گو شعرا مثلاً ولی، دردؔ، میرؔ اور غالبؔ وغیرہ کا مطالعہ کرتے ہیں، تو ان میں ہمیں تصوف کے بنیادی رویے اپنی پوری وضاحت کے ساتھ کارفرما نظر آتے ہیں۔ البتہ ان میں سے کسی کے ہاں تصوف پورے نظام کے طور ملتا ہے، تو کسی کے ہاں اس کی متفرق جھلکیاں نظر آتی ہیں۔ مثلاً دردؔ کی پوری غزل تصوف سے مملو ہے، جبکہ غالبؔ کے ہاں کچھ صوفیانہ رویے ملتے ہیں۔ میں اس مقالے میں اردو غزل کے چار نمایاں کلاسک شعرا ولی دکنی، خدائے سخن میر تقی میرؔ، خواجہ میر دردؔ اور فلسفی شاعر مرزا اسد اللہ غالبؔ کو واضح کروں گی۔

ولیؔ دکنی کے ہاں تصوف ایک طرزِ احساس ہے انھوں نے اپنی شاعری میں تصوف کے رموز کو اکثر بیان کیا۔ ولیؔ صوفیا کے خاندان سے تھے، وہ صاحب علم و کمال ہونے کے ساتھ ساتھ صاحب دل بھی تھے۔ ان کی شاعری میں صبر و قناعت اور معرفت کے اکثر عمدہ مضامین ملتے ہیں۔ ولیؔ کے عہد کے حوالے سے خاور اعجاز لکھتے ہیں۔

> "تصوف اُس زمانے کا دلپسند موضوع تھا۔ تصوف کی طرف ذہنی جھکاؤ کے سبب ولیؔ نے بھی مضامینِ تصوف کو اپنی شاعری میں باندھا اور پہلوں سے اچھا باندھا۔ (۴)

ولیؔ کی شاعری میں صوفیانہ تصورات کی بدولت ایک خاص قسم کا تقدس اور پاکیزگی

پائی جاتی ہے۔ ولؔی بہاروں کے حسن میں، پھولوں کی رنگینی میں، شبنم کی لطافت میں خالقِ جمال یعنی اللہ کا حسن دیکھتے ہیں۔ کائنات کے ذرے ذرے میں اسے قادرِ مطلق کے حسن و جمال کی تجلّیاں نظر آتی ہیں۔ ولؔی کی نظر میں، جسے عرفان کی دولت نصیب ہو جائے اس کے دل سے تمام زنگ دور ہو جاتے ہیں۔ گویا اس کا دل مصفا ہو جاتا ہے۔ اس لئے فرماتے ہیں۔

نہ ہووے اُسے جگ میں ہر گز قرار
جسے عشق کی بے قراری لگے (۵)

ولؔی نے شاد جید الدین علوی شطاری کی خانقاہ میں موجود مدرسہ میں شیخ نورالدین سہروردی کے حلقہ میں درس حاصل کیا۔ اس لئے ان کی شاعری میں جو مختلف علوم کی اصطلاحیں ملتی ہیں، اس سے پتہ چلتا ہے کہ انھوں نے علومِ معقول و منقول دونوں ہی حاصل کئے۔ ولؔی کے دور میں وحدت الوجود اور اس نوعیت کے دوسرے عقیدے تصوف ی بنیادیں تھیں اور اسی کی بدولت ولؔی کی شاعری میں رواداری اور ہمدردی، انسان دوستی، کائنات اور مظاہر فطرت میں ربِ کائنات کی قدرت کا احساس جنم لیتا ہے جو ایک حوالے سے امن اور رواداری کے محرکات اور عقیدہ تصوف کی بنیادیں تھیں۔

مسندِ گل منزل شبنم ہوئی
دیکھ رتبہ دیدۂ بیدار کا (۶)

حسن تھا پردۂ تجرید میں سب سوں آزاد
طالب عشق ہوا صورتِ انسان میں آ (۷)

ولؔی کی شاعری میں بنیادی چیز عشق کے حوالے سے پاکیزگی اور تقدس ہے۔ وہ عشقِ مجازی کو عشق حقیقی کی سیڑھی تصور کرتے ہیں۔ ولؔی کے ہاں تصوف کا جو رنگ ملتا ہے وہ پوری ہندوستانی تہذیب و معاشرت کے تاثر سے مل کر بنا ہے۔ ولؔی کی صوفیانہ رنگ کے حوالے سے قدوسی جاوید اپنے مضمون "ولؔی----- شاعرِ عشق و تصوف و انسان دوستی (ایک ثقافتی مطالعہ)" میں لکھتے ہیں۔

"حقیقت تو یہ ہے کہ ولی حسن و عشق کا ایک پاکیزہ تصور رکھتے تھے۔

عشق بے تابِ جاں گداز ہے　　حسن مشتاقِ دل نوازی ہے
پاک بازان سوں یو ہوا مفہوم　　عشق مضمون پاک بازی ہے

تصوف کی رو سے قربِ الٰہی کا واحد ذریعہ عشق ہے اور وحدت الوجودی عقیدے کے مطابق عشق کی انتہا فنا فی اللہ ہے جسے مجدّد الف ثانی نے

ناپسندیدہ اور علامہ اقبال نے غیر اسلامی قرار دیا۔ ویسے بھی وحدت الوجودی عقیدے کی ترویج میں نرواں، موکش آ ہوتی اور بلیدان جیسے ہندو صوفیانہ تصورات کا بھی اہم کردار رہا ہے۔ چنانچہ اس ہند اسلامی شعری و ثقافتی نظام کے پروردہ ولی کے یہاں بھی ایسے اشعار مل جاتے ہیں:

عشق میں لازم ہے اول ذات کو فانی کرے
ہو فنا فی اللہ وایم یادِ یزدانی کرے
جسے عشق کا تیر کاری لگے
اسے زندگی کیوں نہ باری لگے

ولی کے یہاں عشق و تصوف سے متعلق ایسے مضامین میں جدت کی بنیاد، ولی کو شاہ گلشن کے مشورے کو مانا جاتا ہے۔ (۸)

تصوف کا وہ پہلو جس سے بے عملی پیدا ہوتی ہے اسے مجدد الف ثانی اور اقبالؔ نے ناپسند کیا ہے۔ لیکن تصوف کا عملی رویہ جس سے تقوی اور پاکیزگی پیدا ہو اور خالقِ کائنات اور اس کی مخلوق سے محبت بیدار ہوتی ہے۔ وہ صوفیانہ رویے دنیا کے لئے امن اور رواداری کا سبب بنتے ہیں۔ ولیؔ چانکہ ابتدائی غزل گو شعرا میں شامل ہے اس لئے ولیؔ کے نزدیک تصوف کے لئے بنیادی عقیدہ وحدت الوجود کا ہے۔ ذات فنا ہو کر کل سے مل جاتی ہے، جس سے امر ہو جاتی ہے۔ ولیؔ اور اس کے بعد آنے والے شعرا کے ہاں وجودی نظریات تصوف کی اساس بنتے رہے۔ ولیؔ کے اس رویے کو نسبتاً پختہ صورت میں ہم خدائے سخن میر تقی میرؔ کے ہاں دیکھتے ہیں۔ میر تقی میرؔ کے والد خانقاہی مزاج رکھتے تھے جس کا رنگ میرؔ پر اثر انداز ہوتا نظر آتا ہے۔ مولوی عبدالحق انتخابِ کلامِ میرؔ کے مقدمے میں اس حوالے سے لکھتے ہیں۔

"میرؔ صاحب بہت بڑے درویش کے بیٹے تھے۔ ان کے بچپن کا زمانہ درویشوں ہی کی محبت میں گزرا۔ سید امان اللہ جنھیں میرؔ صاحب چچا کہتے تھے اور حقیقت یہ ہے کہ میرؔ نے انہی کی آغوشِ شفقت میں پرورش اور تربیت پائی، جب کبھی کسی درویش سے ملنے جاتے تو ہمیشہ میرؔ صاحب کو ساتھ لے جاتے اور یہ ان کی ملاقاتوں اور محبتوں میں حاضر رہتے۔ ان کے والد کی خدمت میں بھی اکثر درویش اور دوسرے لوگ حاضر ہوتے، یہ چپکے چپکے سب کچھ دیکھتے اور سنتے رہتے تھے۔ خود والد نے سید امان اللہ یا میرؔ صاحب کو تلقین کی تو وہ بھی درویشانہ اور صوفیانہ

اور خاص طور پر عشق اختیار کرنے کی تاکید فرماتے تھے۔ "بیٹا عشق اختیار کرو کہ عشق ہی کا اس کارخانے پر تسلط ہے انے پر تسلط ہے۔ اگر عشق نہ ہوتا تو یہ تمام نظام ددرہم برہم ہو جاتا۔ بے عشق کی زندگانی وبال ہے اور عشق میں دل کھونا اصل کمال ہے۔ عشق یہ ساز دو عشق یہ سوذد۔ علم میں جو کچھ ہے وہ عشق ہی کا ظہور ہے۔۔۔۔۔ بیٹا زمانہ سیال ہے یعنی بہت کم فرصت۔ اپنی تربیت سے غافل نہ رہو۔ اس راستے میں بہت نشیب و فراز ہیں۔ دیکھ کر چلو۔۔۔۔۔ ایسے پھول کا بلبل بنو جو سدا بہار ہو۔۔۔۔۔ "جب دن رات یہی صدائیں کان میں پڑتی رہیں تو وہ بچہ بڑا ہو کر درویش نہیں تو درویش ضرور ہو کر رہے گا۔ (۹)

میرؔ توکل علی اللہ پر قائم بندہ ہے، جو اللہ کے سوا اور کسی سے مانگنے پر یقین نہیں رکھتا۔ صوفیانہ شاعری کا تعلق فقر و استغنا، ترک دنیا، ترکِ سوال، مذہبی رواداری، تزکیہ نفس سے ہے۔ اس لئے شاعر ان خصوصیات کا بیان شاعری میں کرتا ہے تو وہ اس بیغام کی ترسیل کا سبب بنتا ہے جو امن کا نقیب ہے۔

میرؔ بندوں سے کام کب نکلا
مانگنا ہے جو کچھ خدا سے مانگ (۱۰)

یہی درویش منشی ہے جس نے میرؔ کی غزل میں رواداری، انسان دوستی، توکل اعلی اللہ، قناعت پسندی اور دیگر صوفیانہ خصائص کی شکل میں اپنی جھلک دکھائی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میرؔ کی غزل اپنی انسان دوستی کی اپیل میں کلاسیکی چیز بن گئی ہے، توکل اعلی اللہ، قناعت پسندی اور دیگر صوفیانہ خصائص کی شکل میں اپنی جھلک دکھائی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میرؔ کی غزل اپنی انسان دوستی کی اپیل میں کلاسیکی چیز بن گئی ہے۔ کائنات کے ذرے ذرے کو ایک کل کی وحدانیت کے تصور کے حوالے سے میرؔ کی شاعری میں وحدت الوجود کا نظریہ بھی مختلف صورتوں میں ملتا ہے۔ جیسا کہ میرؔ کہتے ہیں۔

لایا ہے میر اشوق مجھے پردہ سے باہر
میں ورنہ وہی خلوتِ راز نہاں ہوں (۱۱)

تھا مستعار حسن سے اس کے جو نور تھا
خورشید میں بھی اس ہی کا ذرہ ظہور تھا (۱۲)

دیکھا جائے تو تصوف ہی کے بدولت عشق مجازی کو قدر ملی، کیونکہ عشق حقیقی کی

وجہ سے عشقِ مجازی میں احساس کی بلندی اور رفعت پیدا ہوئی۔ دنیا کے حسن میں حُسنِ مطلق کی جھلکیاں نمایاں ہوئیں۔ اس لئے میرؔ کہتے ہیں کہ سورج کا نور اور حسن بھی ذات حقیقی کے نور و حسن کا ایک ادنٰی اظہار ہے۔ ایک معمولی سے جھلک ہے، جس کو دیکھنے کی بھی سکت آدمی میں نہیں۔ میرؔ کی شاعری کا اصل محور عشق ہے، جس کو وہ حاصلِ حیات سمجھتے ہیں۔ محبت میں ذات کو وہ اس قدر فنا کر دیتے ہیں کہ عشق مجازی اور عشق حقیقی کی حدوں کو آپس مین ملا دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنا اظہار چاہا تو کائنات پیدا کی اور انسان کو اشرف المخلوقات بنا کر اپنی تخلیق کی کرشمہ سازی کو عیاں کیا۔ میرؔ دنیا کے ہر حوالے میں اللہ تعالیٰ کی ذات کا مشہود دیکھتے ہیں اور اسے اپنے اشعار میں پیش کرتے ہیں۔ اُردو غزل میں تصوف کا مضبوط حوالہ جس شاعر کے ہاں ملتا ہے وہ میرؔ ہی کے ہم عصر خواجہ میر دردؔ ہے۔ دردؔ کے لئے تصوف قال نہیں بلکہ حال کا نام تھا۔ وہ خود ایک باعمل صوفی تھے تکیہ نشین، سجادہ نشین اور یہی وجہ ہے کہ ان کی غزل مضامین کی تکرار کے باوجود تصوف کا اعلٰی اور واضح نمونہ پیش کرتی ہے۔ ایک باعمل صوفی ہونے کی وجہ سے تصوف ان کے لئے محض ایک نظریہ نہیں بلکہ ایک تجربہ زندگی ہے۔ دردؔ کا قلب عشقِ حقیقی کی لذت سے آشنا تھا۔ انہوں نے معرفت اورر تصوف کے اعلٰی مضامین کو اپنی شاعری میں پیش کیا وہ کہتے ہیں۔

دونوں جہاں کو روشن کرتا ہے نور تیرا
احیاں میں مظاہر ظاہر ظہور تیرا (۱۳)

یا پھر کہتے ہیں۔

ہے جلوہ گاہ تیرا کیا غیب کیا شہادت
یاں بھی شہود تیرا واں بھی شہود تیرا (۱۴)

ایک عام آدمی کی طرح صوفی بھی زندگی میں موجود تضاد کا شکار ہوتا ہے، لیکن وہ عام آدمی کی نسبت اس تضاد سے زیادہ ادراک حاصل کرتا ہے۔ صوفی بھی یہ محسوس کرتا ہے کہ کائنات کی ہر شے اس سے متصادم ہے لیکن محبت کی منزل ہی ایسی ہے کہ اس میں شکایت زبان پر لانا ممنوع ہے اور ایک سچا صوفی شکایتوں کو زبان پر لانے سے پہلے ہی سینے میں کچل دیتا ہے۔ دردؔ کے ہاں اشعار کے خوبصورت نمونے ملتے ہیں، جن میں انسان نفسِ امارہ کے ساتھ برسرِ پیکار رہتا ہے اور خود سے ہی جنگ عالم میں صلح کل کا سبب بنتی ہے۔ دردؔ کہتے ہیں۔

وحدت میں تیری حرف دوئی کا نہ آسکے
آئینہ کیا مجال تجھے منہ دکھا سکے (۱۵)

ان تمام نظریات اور کیفیات کا حاصل دردؔ کے ہاں یہ ملتا ہے کہ وہ کائنات کو خالق کی مخلوق مان کر اسے ایک وحدت کی طرح خود بھی قبول کرتے ہیں اور قبول کرنے کا پیغام بھی دیتے ہیں جو امن، رواداری اور انسان دوستی کی شکل میں ایک عالمی پیغام بن جاتا ہے۔ دردؔ کی شاعری پڑھ کر یوں محسوس ہوتا ہے کہ صوفیانہ خیالات اُن کی روح میں رچ بس گئے ہیں۔ دردؔ توحید مطلق کے قائل تھے۔ ان کے نظریات میں وجودی اور شہودی کی کوئی قید نہ تھی۔ دنیا کی جو رنگینیاں ہمیں نظر آئی ہیں، یہ اصل میں عدم کا عکس ہے، جس میں حقیقی وجود اپنا جلوہ دکھا رہا ہوتا ہے۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی خواجہ میر دردؔ کی شاعری میں صوفیانہ رنگ کا بیان کچھ یوں کرتے ہیں۔

> "تصوف میں ذاتِ باری کے تصور اور نظریہ توحید کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ یہ ذات وحیات وکائنات میں ہر جگہ موجود ہے۔ کائنات کا حسن اور اس کا پورا نظام ذاتِ باری کے حسن وجمال اور اس کی صفات کا مظہر ہے۔ اس کی ذات زندگی کو روشن کرتی ہے، انسانی زندگی کے حقائق کو سامنے لاتی ہے۔ انسان میں خود اعتمادی پیدا کرتی ہے۔ اور اس کو زندگی کے سفر میں صحیح راستے دکھاتی اور صحیح منزلوں سے ہمکنار کرتی ہے۔ تصوف میں وحدت الوجود کا تصور بہت عام ہے، لیکن بعض صوفیا وحدت الشہود کے تصور کو اہمیت دیتے ہیں۔ ان دونوں نظریات میں جزوی طور پر اختلافات بھی ہیں۔ لیکن خواجہ میر دردؔ نے ان دونوں نظریوں کو ایک سنگم پر لا کھڑا کر دیا ہے۔ کیونکہ ان دونوں نظریوں کی منزل ایک ہی ہے؟ اور وہ عرفانِ الٰہی!
>
> خواجہ میر دردؔ کے یہ اشعار اسی صورت حال کے ترجمان اور عکاس ہیں۔
>
> مقدور ہمیں کب ترے وصفوں کے رقم کا
> حقا کہ خداوند ہے تو لوح و قلم کا
> بستے ہیں تیرے سائے میں سب شیخ و برہمن
> آباد تجھی سے تو ہے گھر دیر و حرم کا[۱۶]

دردؔ کی اس واضح صوفیانہ طرزِ شاعری کے بلکل برعکس صورتِ حال غالبؔ کی ہاں نظر آتی ہے۔ غالبؔ ایک ایسے غزل گو ہیں جن کے بارے میں عام خیال ہے کہ انھوں نے اردو غزل کو دماغ عطا کیا۔ ان سے پہلے غزل احساس تو رکھتی تھی لیکن فلسفہ کی گہرائی نہیں۔

غالبؔ نے غزل میں فلسفیانہ سوچ کا عنصر شامل کیا، لیکن فلسفیانہ طرز احساس کے ساتھ ساتھ غالبؔ کے ہاں صوفیانہ طرز فکر کی ایک زیریں لہر ملتی ہے۔ غالبؔ کے ہاں وہی تصوف کے رویے ملتے ہیں جو ایران اور ہندوستان کے صوفیوں میں رائج تھے۔ تصوف کے بعض نظریات کو ان کے یہاں خصوصی مرکزیت حاصل ہے۔ ان میں وحدت الوجود کے نظریے کا اثر غالبؔ کے یہاں سب سے زیادہ گہرا ہے۔ وہ کائنات، حیات، ذات اور توحید کے بارے میں جو نظریات بھی پیش کرتے ہیں وہ سب اسی محور کے گرد گومتے ہیں۔ غالبؔ کی شاعری میں تصوف کے وجودی پہلو کے اثرات پائے جاتے ہیں، فرماتے ہیں۔

اسے کون دیکھ سکتا کہ یگانہ ہے وہ یکتا
جو دوئی کی بو بھی ہوتی تو کہیں دوچار ہوتا(۱۷)

ایک اور جگہ کچھ یوں کہتے

آئینہ کیوں نہ دوں کہ تماشا کہیں جسے
ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے (۱۸)

دہر جز جلوہ یکتائی معشوق نہیں
ہم کہاں ہوتے اگر حسن نہ ہوتا خود بیں (۱۹)

غالبؔ وحدت الوجود کے نظریے کے حامیوں میں سے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی یکتائی پر یقین رکھتے ہیں۔ وہ تصوف کو فلسفے کی نظر سے پرکھتے اور بھرتتے ہیں۔ ان کے حوالے سے ابو اعجاز حفیظ صدیقی لکھتے ہیں۔

"ہم جانتے ہیں کہ مرزا غالبؔ ایک دنیا دار انسان تھے۔ انہیں صوفی قرار نہیں دیا جاسکتا لیکن تصوف کے فلسفیانہ اور نظریاتی پہلو کے بارے میں انہیں ایسی آگہی حاصل تھی کہ وحدت الوجود اور نفی جیسے مسائل پر ان سے بہتر شعر کوئی نہ کہہ سکا۔ (۲۰)

تصوف حقیقت میں مجموعہ ہے واقعات قلبی اور جذبات روحانی کا، جس کا محرک جذبہ عشق ہے، عشق کو بیدار کرنے کا محرک حسن ہے اور حسن کا اصل منبع حسن شاید حقیقی ہے۔ اور عشق مجازی کی سیڑھی چڑھ کر عاشق ایک نہ ایک دن یہ ضرور سوچتا ہے کہ اس ظاہری اور فانی حسن کا سرچشمہ کیا ہے اور کون ہے اور وہ پھر حسن مطلق کی تلاش میں عشق حقیقی سے دوچار ہوتا ہے۔ غالبؔ کی شاعری میں فلسفے کہ ذریعے کائنات اور ذات انسانی اور اس کی صفات کا بیان ایک طرف ملتا ہے تو دوسری طرف ان کے ہاں تصوف کے ذریعے غزل میں

ہستی مطلق، فنا اور بقا، وحدت الوجود جیسی اصطلاحات سے روشنائی ہوتی ہے۔ وہ کہتے ہیں۔

نہ تھا کچھ تو خدا تھا، کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا
ڈبویا مجھ کو ہونے نے! نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا[۲۱]

اللہ تعالیٰ کا حسن ہی کائنات کے ذرے ذرے میں عیاں ہے، جسے صوفی کی نظر دیکھ سکتی ہے۔ ربِ کائنات جو کہ خالق ہے اور مخلوق سے بے انتہا محبت بھی رکھتا ہے اس لئے اس کی چاہ اور رضا ہی ہے کہ ہر طرف محبت اور امن و آتشی ہو اور ہر سطح پر کدورت کی پیروی کرنے کی بجائے پاکیزگی کو اپنایا جائے۔ چونکہ صوفی خدا کی رضا کے حصول کے لئے بے قرار رہتا ہے اس لئے وہ محبت جن کو غزل گو شعرا نے صوفیانہ رویوں کو شاعری میں پیش کیا ہے ان کے توسط سے بھی رواداری، امن اور انسان دوستی کا پیغام منعکس ہوتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ مولانا عبدالرؤف فاروقی (مترجم)، کشف المحجوب (اُردو)، لاہور: اسلامی کتب خانہ، ص ۵۰

۲۔ ابو سعید نورالدین، اسلامی تصوف اور اقبال، لاہور، اقبال اکادمی، ۱۹۰۹، ص ۴

۳۔ میان سید رسول رسآ (ترتیب)، دیوانِ عبدالرحمٰن بابا، پشاور: یونیورسٹی بک ایجنسی، ۲۰۰۹ ص ۸۳

۴۔ خاور اعجاز (مؤلف)، نیرنگ غزل (ولی دکنی تا احمد فراز)، اسلام آباد: نیشنل بک فائونڈیشن، ص ۱۱

۵۔ ایضاً، ص ۲۱

۶۔ ایضاً، ص ۱۳

۷۔ ایضاً، ص ۱۲

۸۔ گوپی چند نارنگ (ڈاکٹر)، ولی دکنی تصوف، انسانیت اور محبت کا شاعر، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۶، ص ۱۳۴ تا ۱۳۵

۹۔ مولوی عبدالحق (ڈاکٹر) انتخابِ کلام میر، ص ۱۸ تا ۱۹ (مقدمہ)، لاہور: لاہور اکیڈمی، ۱۹۹۸، ص ۱۴۵

۱۰۔ ایضاً، ص ۱۴۹

۱۱۔ ایضاً، ص ۱۵۹

۱۲۔ مولوی عبدالحق (ڈاکٹر)، انتخابِ کلام میرؔ، ص ۶۳

۱۳۔ معاذ حسن، اردو شاعری کے ٹاپ ۱۰ اکلاسک شاعر، لاہور: حیدر پبلی کیشنز، ص ۱۱۱

۱۴۔ ایضاً

۱۵۔ ایضاً، ص ۱۲۱

۱۶۔ سید عامر سہیل- قاضی عابد (ڈاکٹر)، اُردو کے نمائندہ کلاسیکی غزل گو، ص ۱۴۱

۱۷۔ اسد اللہ خان غالبؔ، دیوانِ غالبؔ، لاہور: علی ہجویری پبلیشرز، س ن، ص ۲۴

۱۸۔ ایضاً، ص ۱۴۵

۱۹۔ ایضاً، ص ۱۵۵

۲۰۔ ابو الاعجاز حفیظ صدیقی، کشاف تنقیدی اصطلاحات، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۵، ص ۳۸

۲۱۔ اسد اللہ خان غالبؔ، دیوانِ غالبؔ، ص ۳۰